قائداعظم اور انکا عہد

حیات محمد علی جناح

رئیس احمد جعفری

مقبول اکیڈمی

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

قائداعظم اور اُن کا عہد

Butt

اہتمام ــــــــــــ ملک مقبول احمد

مطبع ــــــــــــ پنجاب پریس لاہور

قیمت ــــــــــــ ساٹھ روپے

مقبول اکیڈمی، لاہور

تھا وہ پھر بھی دور نہ ہوا۔ وہ جوں کا توں قائم ہے۔ اس میں نہ کوئی فرق آیا نہ شاید آئے۔

ایک اور صدمہ

اہلیہ کی وفات کے بعد مسٹر جناح نے اپنی اکلوتی لڑکی کی تعلیم و تربیت کی نگرانی میں دشواری محسوس کی، ہی اور ملکی مصروفیتوں کے سبب بمبئی میں ان کا مستقل قیام بھی نہیں رہتا تھا۔ ماں کے بعد نانی ہی سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہے۔ اس اعتماد پر مسٹر جناح نے لڑکی وینا جناح کو نانی کی گود میں دے دیا۔ باپ بیٹی کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ بیٹی کبھی کبھی آکر کچھ عرصہ تک باپ کے پاس رہتی بھی تھی، مرحومہ بیوی کی یہی ایک نشانی تھی اب ساری محبت اور شفقت اسی پہ باپ نچھاور کر رہا تھا، لیکن پارسی خاندان میں جاکر لڑکی کی تعلیم و تربیت بالکل غیر اسلامی ماحول میں ہوئی، اور اسے اسلام یا ملت اسلامیہ سے کچھ مس نہ رہ گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی رفتہ رفتہ اسلام سے، اسلامیت سے، مسلم قوم سے، اپنے باپ سے دور ہوتی چلی گئی۔ بے خبر باپ کو اس کا پتہ اس وقت چلا، جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اور لڑکی کی شادی چپکے چپکے اسی پارسی خاندان کے ایک رکن مسٹر نیس واڈیا کے صاحبزادے سے طے پا چکی تھی۔

باپ نے روکا، سمجھایا، منع کیا، افہام و تفہیم سے کام لیا۔ مولانا شوکت علی مرحوم کے ذمہ یہ کام کیا۔ کہ وہ دینا کو اسلام سے، اسلام کی تعلیمات سے، اسلام کی حقیقت سے روشناس کرائیں۔ اور اسے اس ارادہ سے باز رکھیں، اس واقعہ کا علم ان سطور کے لکھنے والے کو ذاتی طور پہ ہے۔ جو ایک عرصہ تک مولانا مغفور کا رفیق رہ چکا ہے، خود مولانا نے راقم الحروف سے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ بہرحال کوششیں ناکام ہوئیں اور مولانا شوکت علی اسے راہ راست پہ لا سکے۔ نہ باپ کی افہام و تفہیم کا کچھ نتیجہ نکلا، اور بالآخر

لڑکی کی شادی ایک پارسی ہم خاندان سے ہو گئی۔

اس کے بعد مسٹر جناح جو کچھ کر سکتے تھے۔ وہ یہ کہ لڑکی سے ترک تعلق کر لیں، انھوں نے یہ کیا۔ اور اس سے یکسر تعلقات منقطع کر لئے، اس کے برعکس خان عبد الغفار خاں کے برادر محترم ڈاکٹر خانصاحب کی صاحبزادی نے خالص اسلامی ماحول میں تعلیم و تربیت پانے کے باوجود جب ایک سکھ عیسائی سے شادی کر لی۔ تو خان صاحب نے لڑکی سے قطع تعلق کرنے کے بجائے اسے دعائے خیر و برکت دی۔ پھر بھی خان صاحب "مجاہد" ہیں۔ اور جناح فاسق و کافر،

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شرمناک دروغ گوئی

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پہ قابل ذکر ہے جب نئے انتخابات کی ہماہمی شروع ہوئی۔ تو مجلس احرار کے روح رواں مسٹر مظہر علی اظہر اور تحریک خاکسار کے بانی اور علامہ مسٹر عنایت اللہ خاں مشرقی نے علی الاعلان برسر عام مسٹر جناح" پہ یہ الزام لگایا کہ انھوں نے ایک "غیر مسلم" سے "سول میرج" کی تھی۔ اور یہ کہ خود مسٹر جناح کا اسلام مشکوک و مشتبہ ہے، اس لئے کہ جو قرآنی احکام کو ٹھکرا کر ایک "غیر مسلمہ" سے شادی کرے وہ کافر نہیں تو کیا ہے؟ مسٹر مظہر علی اظہر نے تو بھرے جلسہ میں ایک فی البدیہہ شعر بھی ارشاد فرما دیا ؎

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ کافر اعظم ہے کہ ہے "قائد اعظم"

حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ مسٹر جناح نے مسٹر آصف علی، مسٹر ہمایوں کبیر اور ڈاکٹر خان صاحب وغیرہ کی سنت پہ عمل کر کے "سول میرج" نہیں کی، بلکہ ایک مسلمہ

شادی کی۔ اس مسلمہ کا جب انتقال ہوا تو وہ اسلامی قبرستان میں دفن ہوئی، تجہیز و تکفین میں بمبئی کے بہت سے معزز مسلمان شریک ہوئے۔ پھر مزید ثبوت کے طور پر سول اینڈ ملٹری گزٹ (۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء) کی خبر بہت سے اردو اخبارات نے صفحہ، کالم، تاریخ اور نام کے تعلیق کے ساتھ شائع کی۔ پھر بھی الزام آج تک قائم ہے۔ نہ صرف مسٹر جناح کا اسلام قابلِ قبول نہیں ہے، بلکہ یہ مفتیانِ عظام اور رہنمایانِ اسلام ایک مرحومہ مسلمہ کو بھی "کافرہ" کے خطاب سے نواز رہے ہیں۔ یہ ہے قائدِ اعظم کے مخالفوں کی دیانت اور شرافت، جھوٹ بولتے ہیں اور اپنے دروغ پر اصرار کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت جانشین شیخ الہند اور دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد صاحب مدنی پر ہے۔ ان تمام تحریروں اور تردیدوں کے ملاحظہ فرمانے کے باوجود مسٹر اور مسز جناح کے کفر اور سول میرج کے افسانہ پر انہیں اب تک یقین ہے۔ اب بھی وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں مسلمانوں کے "کافر" لیڈر اور اس کی "کافرہ" بیوی کا ذکرِ خیر کرتے رہتے ہیں!

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

رولٹ ایکٹ

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں رولٹ ایکٹ ایک انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قانون اگر نہ بنا ہوتا تو شاید سیاستِ ہند میں ایک نئے طوفان کا ہلاکت انگیز اور تباہ کن دور اس قدر جلد نہ شروع ہوتا۔ ۱۹۱۸ء میں حکومت نے مسٹر سڈنی رولٹ کی زیر صدارت ایک کمیٹی کی تشکیل کی۔ کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ وہ بغاوت سیاسی سازشوں کے سلسلہ میں سزا اور تادیبی و عقوبتی مراحل پر غور کرے اور حکومت کے سامنے اپنی سفارشات پیش کر کے بتائے کہ جو لوگ اس سلسلہ میں گرفتار ہوں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اور انہیں کس قسم کی سزا دی جائے؟

اس کمیٹی نے جو سفارشات حکومت کے سامنے پیش کیں اور جو سزائیں اس قسم کے مجرموں کے لئے تجویز کیں وہ اس درجہ سخت منتقمانہ اور ناقابلِ برداشت تھیں کہ ان پر سارے ملک میں غم و غصہ، احتجاج و ملامت، برہمی اور بیزاری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر بڑے شہر میں احتجاجی جلسے ہوئے۔ مخالفانہ تقریریں کی گئیں۔ اور حکومت سے اصرار کیا گیا کہ ان سفارشات کو ہرگز عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔

مجلس احرار اور پاکستان

شملہ کانفرنس سے پہلے مجلس احرار کے ارباب بست وکشاد مسلم لیگ کے سرگرم مخالفوں میں نہیں تھے بلکہ پاکستان کی دبی زبان سے تائید کیا کرتے تھے لیکن شملہ کانفرنس کے دوران میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ملک خضر حیات وزیر اعظم پنجاب سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی رہائی کی سفارش کی، ملک صاحب کو مسلم لیگ کے مقابلہ کے لئے کانگرس احرار خاکسار سب کا تعاون حاصل کرنا تھا۔ انہوں نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی اور مولانا رہا کر دئے گئے۔ مولانا فوراً رہا ہوتے ہی شملہ پہنچے اور پھر ایسوسی ایٹڈ پریس کے تار مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء کے مطابق

"مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر کل ہند مجلس احرار نے آج ایک گھنٹہ تک وزیر اعظم سرحد ڈاکٹر خان صاحب سے گفتگو کی، معلوم ہوا ہے کہ اس گفتگو کا تعلق سرحد اور پنجاب کے صوبوں کی آئندہ سیاست سے تھا؟

کل مولانا حبیب الرحمٰن نے مسٹر جلال الدین ہاشمی ڈپٹی اسپیکر بنگال اور مسٹر بدرالدجی سابق میئر کلکتہ سے غیر رسمی گفتگو اور مشورہ کیا تھا یہ گفتگو مسلم قوم پرست جماعتوں میں اشتراک پیدا کرنے اور سرحد سے بنگال تک قوم پرست مسلمانوں

کی ایک صف قائم کر دینے کے سلسلہ میں تھی۔

"مولانا حبیب الرحمٰن نے ایک پریس انٹرویو میں مسلم لیگ کے مسلمانان ہند کی نمائندگی کے دعوے کی صحت سے انکار کیا ہے؟

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے رہا ہوتے ہی مجلس احرار کی ساری قوت مسلم لیگ کے خلاف اور مخالف پاکستان جماعتوں کی تائید کے لئے وقف ہو گئی کانگرس سے خود بخود ساری شکایتیں رفع ہو گئیں۔

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے   تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

اور مسلم لیگ کے خلاف خواہ مخواہ ایک محاذ قائم کر دیا گیا۔

مجلس احرار کے لیڈر میدان میں

چنانچہ مجلس احرار کے وہ لیڈر جو مدت سے گوشہ نشین تھے میدان میں آ گئے اور پاکستانی تحریک کے خلاف سد سکندری کی طرح حائل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کشمیر کی بلندیوں سے نیچے اتر آئے مسٹر مظہر علی اظہر اخلاق کی بلندیوں سے بہت نیچے اتر آئے اور ان سب حضرات نے متحد و متفق ہو کر مسلم لیگ کے خلاف دھاوا بول دیا اپنی تقریروں اور تحریروں کا ایک ہی مقصد رکھا۔

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں   اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

مسلم لیگ جو کچھ کہے وہ خواہ کتنا ہی برحق کیوں نہ ہو اس کی مخالفت کی جائے حتیٰ کہ پاکستان جیسے مسئلہ کی مخالفت بھی ان حضرات نے فرائض و واجبات میں شامل کر لی۔

ایک نئی گالی

علی گڑھ کے طلباء پر ایک نہایت ناپاک، غلط اور تمام تر دروغ الزام لگاتے ہوئے

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک تقریر کی جو قوم پرور اخبارات زمزم (لاہور) اور ہند (کلکتہ) نے بڑی اہمیت کے ساتھ شائع کی، اس تقریر پر مولانا نے خوب سرسید مرحوم کو بھی پیٹ لیا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے اخبار صدق مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۵ء میں اس انداز گفتگو پر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

"سرسید کی اولاد جو علی گڑھ کے زیر سایہ پل رہی ہے ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے جنہوں نے مولانا ابوالکلام کے ڈبہ میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتار دیں، اور اپنی شرمگاہوں کا مظاہرہ کیا۔ مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سرسید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ ان کی ٹوپی جلادی گئی، ان کی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت دیا۔"

(تقریر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مندرجہ زمزم و ہند)

جس تقریر دلپذیر کا یہ نمونہ درج ہوا ہے اس کے معنوی جواہر ریزوں سے قطع نظر کیجئے اسے بھی جانے دیجئے کہ جس وقت ولا تقف ما لیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا کی تعمیل حکم کی بابت پرسش ہو رہی ہوگی۔ اس وقت اس خطیب اعظم کے پاس کیا جواب ہوگا۔ یہاں داد صرف اس کی دیجئے کہ اردو میں ایک نئی گالی خوب ہاتھ آ گئی "سرسید کی اولاد" "بچہ شمر" "اولاد یزید" "ذریت شیطان" "ابلیس" کے قبیلہ کے الفاظ کو مبارک ہو کہ انہیں ایک نیا ساتھی "سرسید کی اولاد" شاہ صاحب کی عنایت سے خوب مل گیا۔"

درس گوسفندی

۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کی شب کو بمبئی کی مجلس احرار کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا

عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا:۔

"پاکستان کے دونوں اجزا ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے اور ان کے درمیان ۹ کروڑ ہندوؤں کی ایک زبردست حکومت ہوگی جس کے پاس سرمایہ ہوگا۔ ہزاروں صاحب دماغ آدمی ہوں گے، جواہر لال ہوگا۔ گاندھی جی مہاراج ہوں گے۔ کالا نانگ، راجگوپال اچاریہ ہوگا۔ مالوی جی ہوں گے، اس کے برخلاف اس کے بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد کے مسلمان زیادہ تر کیتی ہیں یعنی لوہار، موچی، بڑھئی، کسان، مزدور حتی کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں مسلمان بھنگی کا کام کرتے ہیں، جو علاقے پاکستان کے لئے طلب کئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی ہندو سرمایہ دار ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، تجارت پر ان کا قبضہ ہے۔ پشاور والوں کو شلوار کے لئے لٹھا امرتسر کی منڈی سے خریدنا پڑتا ہے۔"

یہ خیالات ایک عالم دین کے ہیں جو سرمایہ داری سے مرعوب ہے اور مسلمانوں کو کمینہ کہہ کر اسلام کی توہین کر رہا ہے یہ اس مذہب کا عالم ہے جس کے داعیؐ نے فرمایا تھا "الفقر فخری" یہ اس قوم کا فرد ہے جس کے شتربانوں نے ایران اور روم کی شہنشاہتیں الٹ دی تھیں اس استدلال کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ مسلمان غریب ہیں بیکس ہیں لہٰذا وہ اپنے ہندو آقاؤں کی سرپرستی میں زندگی بسر کریں ورنہ وہ کچل کر رکھ دئے جائیں گے۔ تباہ و برباد کر دئے جائیں گے۔ تعجب ہے جس قوم کے بعض رہنما تک احساس کمتری کے اس مرض میں مبتلا ہیں وہ پھر بھی اتنی حساس اور خوددار ہے کہ پاکستان لینے پر تلی ہوئی ہے۔

شہید پاکستان

۱۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کا ایک تار تمام اخبارات میں شائع ہوا "حال ہی میں لدھیانہ میں پنجاب مسلم لیگ کے ایک رکن محمد صادق شہید ہو گئے

کی جاتی ہے کہ کچھ احراریوں نے ایک ہندو کی دوکان پہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسلم لیگ کو گالیاں دینا شروع کر دیں، محمد صادق نے ان احراریوں سے التجا کی کہ وہ ایسی نازیبا حرکت نہ کریں اور مسلم لیگ کے خلاف گالی گلوچ بند کر دیں، اس پر کچھ لوگوں نے اس پر دھوکہ سے قاتلانہ حملہ کیا وہ اپنی قوم کی عزت و آبرو کا تحفظ کرتے شہید ہو گیا۔"

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

تعجب یہ ہے کہ مسلم لیگ کی "غنڈہ گردی" کے خلاف فریاد و الغیاث کا شور بلند کرنے والے اصحاب عزائم ان کارناموں پر بالکل خاموش ہیں جو مسلم لیگ کے مقابلہ میں حریف جماعتیں انجام دیتی ہیں۔

واقعہ کی مزید تفصیل

اس حادثہ کے ایک عینی شاہد محمد عالم کا ایک مکتوب جنگ نے اخبارات میں شائع ہوا، مکتوب کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ صحیح حالات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

"لدھیانہ میں احراری ہر محلہ میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسلم لیگ اور پاکستان کے مخلص لیڈروں کو صریحاً گالیاں دیتے ہیں اور مسلم لیگیوں کو مشتعل کرتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے گزشتہ جمعہ میں ایک تقریر میں کہا جو مسلم لیگی تمہارے سامنے ذرا بولنے کی جرأت کرے اس کا سر پھوڑ دو۔ چنانچہ بازار جراحاں میں انہوں نے ایک ہندو کانگریسی کے مکان میں لاؤڈ اسپیکر لگا رکھا تھا اور صاف الفاظ میں ہم کو گالیاں دے رہے تھے غور سے پڑھیئے یہ واقعہ جمعرات کے دن ۴-۱-۴۶ کا ہے، ایک پاکستانی مجاہد نے کہا "احرار اس آواز کو بند کر دو۔ لیکن وہ باز نہ آئے خیر آپس میں لڑائی ہوئی۔ بعد میں عبدالرحمن نے محمد صدیق پسر محمد حیات کشمیری کے پیٹ میں

ایک چاقو جس کی لمبائی ۹" اور چوڑائی دو انچ ہے گھونپ دیا۔ چاقو مجاہد پاکستان کے جگر، دل، کلیجے کو کاٹتا ہوا پار ہو گیا۔ احراری نے چاقو خود ہی باہر نکالا اور پولیس چوکی میں رپورٹ لکھوانے کے لئے گیا کہ مجھے "صدیق" مسلم لیگی نے مارا ہے۔"

اس حادثہ سے صادق نے جام شہادت نوش کیا، جواں ہمت باپ نے کہا۔

"باری تعالیٰ تو نے مجھے دو بیٹے عطا کئے تھے، ایک تو ملت اسلامیہ کے لئے شہید ہو گیا۔ اگر دوسرا بھی اسی طرح قربان ہو جائے تو میں اپنے آپ کو اس دنیا میں حد سے زیادہ خوش نصیب سمجھوں گا۔ جمعہ کے دن صبح سویرے ۱۰ بجے جنازہ پولیس کی حفاظت اور نگرانی میں جھنڈوں کے سایہ میں تقریباً ۸۰۰۰ ہزار لوگوں کے ساتھ اٹھایا گیا جنازہ کی ایک شان تھی، سبز اسلامی رنگ کے جھنڈے ہوا میں لہرا رہے تھے جگہ بجگہ فوٹو اتارے جا رہے تھے پھول برس رہے تھے۔ کلمہ باآواز بلند اور درود شریف پڑھے جا رہے تھے۔ عورتیں اور مرد اوپر کوٹھے اس شہید پر آنسو بہا رہے تھے۔

لدھیانہ میں ایک عجیب طوفان برپا ہو گیا ہے۔ بہت سے احراری پارٹی کی بزدلی دیکھ کر مسلم لیگ میں شامل ہو رہے ہیں۔"

مولانا ظفر علی خاں کی ایک نظم

مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں پاکان احرار نے جو کارنامے انجام دیئے تھے ان کی داد مولانا ظفر علی خاں کے خامۂ سحر آفریں نے یوں دی تھی۔

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار — اسلام اور ایمان اور احسان سے بیزار
ناموس پیمبر کے نگہبان سے بیزار — کافر سے موالات مسلمان سے بیزار
اس پہ ہے یہ دعوٰی کہ ہیں اسلام کے احرار — احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار

7 / 9

پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

کھاتا ہے مسلماں کوئی سینہ میں جو گولی — گالی اسے دیتی ہے یہ احرار کی ٹولی

اسلامیوں کے خوں سے چلے کھیلنے ہولی — احرار کو پھر آج سے کیوں کہئے نہ اشرار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

سو جھی شہید اپرانہیں مردار کی پھبتی! — سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ سرکار کی پھبتی

توحید کے بیٹو یہ ہے احرار کی پھبتی! — گمراہ ہیں خود اور ہمیں کہتے ہیں غلط کار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

اللہ کے گھر کو کوئی ڈھائے تو یہ خوش ہیں — مسجد کا نشاں کوئی مٹائے تو یہ خوش ہیں

مسلم کا کوئی خون بہائے تو یہ خوش ہیں — لاہور میں آثارِ قیامت ہیں نمودار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

مردانِ مجاہد سے جو اس طرح کٹے ہیں — اللہ کے رستے سے جو اس طرح ہٹے ہیں

اسلام کی فوجوں کے مقابل جو ڈٹے ہیں — پھر کیوں نہ یہ کمبخت ہوں سوا سر بادار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

یہ نظم اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے اگر مسجد شہید گنج کے حادثہ انہدام کے تحت صحیح تھی تو اب اس کی معقولیت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے۔

○

جماعت خاکسار اور پاکستان

○

خاکسار تحریک کا اٹھان بڑا شاندار اور امید افزا تھا مسلم عوام کی ہمدردیاں اور دلچسپیاں اس تحریک کے ساتھ روز بروز بڑھتی جاتی تھیں یہ تحریک ۱۹۳۱ء میں قائم ہوئی اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی سب سے بڑی زندہ اور لرزہ خیز تحریک بن گئی۔ اگر اس تحریک کو کوئی ایسا قائد میسر آجاتا جو ولولۂ عمل سے سرشار ہوتا، دولت اخلاص سے مالا مال ہوتا عزم و استقامت کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا تو یقیناً یہ تحریک پھولتی پھلتی پروان چڑھتی اور مسلمانوں کی سب سے جاندار تحریک ثابت ہوتی لیکن بدقسمتی سے اس تحریک کو ایسی قیادت نصیب ہوئی جس نے اس کا تختہ الٹ کے رکھ دیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

مسلم لیگ اور خاکسار

دسمبر ۱۹۴۲ء میں جب خاکساروں پر حکومت پنجاب نے پہلا وار کیا اور پھر حکومت ہند نے مسٹر مشرقی کو نظر بند کر کے اس تحریک کو خلاف قانون قرار دے دیا تو وہ مسلم لیگ ہی تھی

علمائے کرام کی وہ شرذمۂ قلیلہ جو دہلی کی جمعیۃ علماء وابستہ ہے پاکستان کی سخت مخالف ہے اور اکھنڈ ہندوستان اس کا آخری مطمع نظر اور نصب العین ہے۔ لیکن الحمد للہ کہ علمائے کرام کا بڑا طبقہ دہلی کی اس جماعت کے ساتھ نہیں ہے نہ اس کے نظریات و خیالات سے متفق ہے یہ گروہ مسلم لیگ کی حمایت، پاکستان کی تائید اور مسلمانوں کی آزادی و خود مختاری کے لئے سربکف میدان میں اتر چکا ہے۔

علماء کی روش ایک عالم کی نظر میں

دیوبند اور دہلی کے وہ علماء جو کانگریس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور مسلم لیگ و پاکستان کی مخالفت کرتے رہتے ہیں، انہیں علمائے کرام کے زمرہ اور طبقہ میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے؟ اس کا اندازہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ التفسیر جامعۂ عثمانیہ کے اس مکتوب گرامی سے ہوسکتا ہے جو موصوف نے عبدالماجد صاحب دریابادی کو لکھا تھا اور جو جنوری ۱۹۴۶ء کے صدق میں شائع ہوچکا ہے، مولانا نے تحریر فرمایا تھا:۔

"دیوبند ہی میں نہیں، طبقۂ علماء کا حال ہر جگہ قابل رحم حد تک پہنچ چکا ہے۔ اپنی فوج کو خود اپنے ہاتھوں انہوں نے ضائع کیا۔ اب اگر مذہبی بیباکیوں کی طرف سے کوئی اقدام خدانخواستہ پیش آیا تو ان مولویوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی کس بوتے کا دیا ڈھال کر ان شرارتوں کا مقابلہ کریں گے؟ جمعیۃ علمائے اسلام کلکتہ نے گو ایک محاذ مولویوں کے لئے قائم کردیا ہے لیکن عوام ان کے ہاتھوں سے نکل چکے، اب ان پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔ افسوس کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی ان مولویوں نے چلائی۔ تاہم محمد رسول اللہ صلعم کے دین کا محافظ وہی ہے جس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے خدا کا شکر ہے کہ علماء ہمارے ہاں کسی نسل کا نام نہیں، مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا

ہے کہ تعلیم یافتوں کی تعلیم میں دین کا عنصر شریک کرکے علماء کی قیادت کی باگ قدرت اب تعلیم یافتوں کے سپرد کردے گی۔ آئندہ میدان انشاء اللہ محمد علیوں اقبالوں کے ہاتھ میں رہے گا۔"

بہتر طرزِ عمل

علمائے کرام کی ایک جماعت وہ بھی ہے جو اب تک پاکستان کے فوائد اور خصائص کی پوری طرح قائل نہیں ہوئی ہے جو مسلم لیگ کی قیادت کو غیر مذہبی سمجھ رہی ہے اس لئے اس میں شریک ہوتے ہوئے ہچکچاتی ہے لیکن وہ یہ نہیں کرتی کہ کانگرس کی قیادت تسلیم کرلے یا پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہو جائے اور مسلم لیگ کے خلاف کفر کے فتوے شائع کرنے لگے، وہ حالات کا جائزہ لے رہی ہے اور خاموشی کے ساتھ صورت حال کے مطالعہ میں مصروف ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا حسب ذیل شذرہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کے صدق میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ شائع کیا۔

"مجلس دار المصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں، تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے اور اس کو عملی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مسلمانوں کی اکثریت ایک طرف ہے۔ خطا و صواب اپنی اپنی جگہ پر لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً اس وقت جب اس میں بعض مصالح اسلامیہ کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔"

دیوبند اور دہلی کے علمائے کرام اگر یہ طرز عمل بھی رکھتے تو عامۃ المسلمین کو ان سے شکایت نہ ہوتی۔